9:49
Today
9:48 PM

ئی:(۱) پلاٹ (۲) کردارنگاری (۳) زمان ومکان (۴) وحدت تاثر (۵)
لوب۔

سام:(۱) بیانیہ (۲) سوانحی (۳) مراسلاتی (۴) مخطوط (۵) یادداشتی۔

(۴) ڈرامہ:

ئکلو پیڈیا آف برٹانیکا کی رو سے لفظ ڈراما اس یونانی لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معنی
ئی ہوئی چیز"۔ بوطیقا میں ارسطو نے ڈرامے کی کوئی باقاعدہ تعریف پیش نہیں کی
پیش کی گئی اس کی توضیحات سے ڈرامے کی تعریف اس طرح مرتب کی جا سکتی ہے۔
اما انسانی افعال کی ایسی نقل ہے جس میں الفاظ کی موزونیت اور نغمے کے ذریعے
نگو اور مصروف عمل ہو بہو ویسا ہی دکھایا جائے جیسے کہ وہ ہوتے ہیں یا ان سے بہتر
یش کیا جائے۔" (ترجمہ عزیز احمد، ایم اے اردو سال دوم، ساتواں پرچہ، مولانا
ونی ورسٹی، ص/۱۰۸)
ومختلف ادیبوں اور دانشوروں نے ڈرامے کی متعدد تعریفیں پیش کی ہیں۔ جس کا
ی قصے یا واقعے کو کرداروں کے ذریعے تماشائیوں کے روبرو پھر سے عملاً پیش
لتے ہیں۔"
ن کی ایک بڑی تعداد نواب واجد علی شاہ کو اردو کا پہلا ڈرامہ نگار اور ان کے ڈرامہ

(ب) غیر افسانوی نثر

(۱) مضمون:

کسی بھی عنوان پر معلومات یکجا کر کے اس کے ذیلی موضوعات پر روشنی ڈالتے ہوئے دل چسپ اور جامع مواد کو ترتیب، تسلسل اور روانی کے ساتھ پیش کرنا یا کسی موضوع پر ترتیب کے ساتھ اظہار خیال کرنا "مضمون" کہلاتا ہے۔ مضمون کو تین اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) تمہید جس میں موضوع کا تعارف کروایا جاتا ہے۔
(۲) نفس مضمون جس میں موضوع کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔
(۳) خاتمہ۔

مضمون میں ادب، سائنس، مذہب، ٹکنالوجی، امراض، علاج، سیاست، سماج، معاشرت غرض کہ ہر موضوع پر خیالات کا اظہار ہو سکتا ہے۔ مختلف موضوعات پر معلومات فراہم کر کے اکثر اسے ایک ہی نشست میں مطالعہ کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ اردو میں مضمون نگاری کی روایت انگریزی ادب کی دین ہے۔ چنانچہ 1824ء میں جب دلی کالج قائم کر کے انگریزوں نے علوم وفنون کی ترقی پر توجہ دی تو اس کالج سے وابستہ ماسٹر رام

www.urduchannel.in

ے پہلے "مضمون نگاری" کی بنیاد رکھی جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ماسٹر
ور پھر شمس العلماء ذکاء اللہ نے "مضمون نگاری" کی روایت کو فروغ
ان اور ان کے رفقا نے مضمون نگاری کو فروغ دیا۔ موضوعات کے لحاظ سے
قسمیں ہیں جیسے علمی مضامین، ادبی مضامین، تاریخی مضامین، سیاسی
مضامین، معاشرتی مضامین، سائنسی مضامین، تنقیدی مضامین اور تحقیقی

(۲) انشائیہ:

ن کا ایک ایسا ہلکا پھلکا انداز جس میں بے ساختہ بے تکلفانہ کسی موضوع پر
جائے تو اسے انشائیہ قرار دیا جاتا ہے۔ انشائیہ کے لیے انگریزی میں
رائج ہے۔ انشائیہ میں مضمون کی خصوصیات نہیں ہوتیں بلکہ انشائیہ نگار اپنے
ر مشاہدات کو ہلکے پھلکے اور شگفتہ انداز میں اپنی تحریر کا موضوع بناتا ہے جس
ون اور انشائیہ میں موجود فرق کو محسوس کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دکنی میں لکھی
نثری کتاب "سب رس" کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ انشائیہ کے
ں میں موجود ہیں۔ محمد حسین آزاد کو بعض محققین پہلا انشائیہ نگار تسلیم کرتے
ائیوں کا مجموعہ "نیرنگ خیال" کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن بعض کا خیال
کے سفر کے بعد سرسید احمد خاں کی تحریروں سے اس صنف کا باقاعدہ آغاز ہوا
انہوں نے لندن کے اخبارات اور انگریزی رسالوں میں کیا تھا۔ رسالہ
اق" میں سرسید کے ایسے بے شمار مضامین ہیں جن میں بے تکلفی، بے ساختہ
رائی موجود ہیں۔ "مضامین سرسید" کے نام سے سرسید کے انشائیے شائع
رسید کے بعد نذیر ناصر فراق دہلوی، خواجہ حسن نظامی اور دوسرے قلم کاروں
نف میں مزید اضافے کیے۔

(۳) خطوط یا مکتوب:

مکتوب نگاری دو انسانوں کے مابین تعلقات کی ترجمانی کرنے والی ایک ایسی صنف نثر ہے جس میں غیر افسانوی انداز میں خیالات کی ترسیل ہوتی ہے اور حقیقت حال کا بیان ہوتا ہے۔ ماضی میں جو لوگ فاصلوں پر رہتے تھے، تبادلۂ خیالات اور خیر خیریت جاننے کے لیے بے چین رہتے تھے، ان لوگوں کے آپسی تبادلۂ خیال کا ایک ہی ذریعہ "خط" تھا۔ مختلف النوع جذبات، احساسات، خیالات اور اطلاعات تحریر کر کے اس کی ترسیل کا انتظام کرنا مکتوب نگاری کی خصوصیات ہیں۔ اردو کے بیشتر مصنفین اور ادیبوں کے خطوط ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اردو میں مکتوب نگاری کا آغاز مرزا غالبؔ کے خطوط سے ہوا۔ مرزا غالبؔ نے اردو کے ابتدائی خطوط 1846ء میں تحریر کیے۔ اس سے قبل فارسی میں مکتوب نگاری کا چلن عام تھا۔ مرزا غالبؔ کے بعد اس صنف نے کافی ترقی کی۔ چنانچہ مولانا حالی، سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نامور ادیبوں کے خطوط شائع ہو چکے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو میں مکاتیب نگاری کی صنف قدیم اور توانا ہے۔ دور حاضر میں ترسیل کے نئے ذرائع پیدا ہو چکے ہیں اس لیے خطوط نگاری میں کمی واقع ہوئی ہے مگر اس کی اہمیت اب بھی مسلّم ہے۔

• خط کے اجزا:

(۱) مکتوب نویس کا نام اور پتہ (۲) تاریخ تحریر (۳) نشان مجاریہ (۴) مقدمہ یا سبجیکٹ (۵) حوالہ نشان (۶) القاب (۷) آداب (۸) نفس مضمون (۹) خاتمہ (۱۰) مکتوب نویس کے دستخط (۱۱) مکتوب الیہ کا نام اور پتہ۔

• خطوط کی قسمیں:

(۱) نجی اور ذاتی خطوط (۲) دفتری / حکومتی خطوط (۳) کاروباری / تجارتی خطوط (۴) اخباری خطوط / مراسلے (۵) ادیبوں اور دانش وروں کے خطوط۔

Send Favorite Edit Delete More

(۴) سوانح:

کسی بھی نامور شخص کی زندگی کے حالات تفصیل کے ساتھ ایک کتاب میں پیش فن سوانح کہلاتا ہے۔سوانح میں کسی مشہور شخص کی زندگی کے محاسن اور معائب ن کیے جاتے ہیں۔سوانح میں مستند اور جامع مواد کی پیش کشی ضروری ہوتی ہے بلکہ اتھ ہی اس حقیقت پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے کہ جس شخص پر سوانح لکھی جارہی ہے رگی کے تمام کارناموں کو کتاب میں سلسلہ وار بیان کردیا جائے۔اگر کتاب میں ن وکمالات بیان کیے جائیں تو ایسی سوانح ادبی معیارات کی تکمیل نہ کر سکے ح میں نہ تو شخصیت کے بارے میں فرضی واقعات بیان کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی اسلوب۔مولانا الطاف حسین حالی کو اردو کا اولین اور سب سے بہترین سوانح نگار صل ہے۔انہوں نے سب سے پہلے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی حیات پر"حیات ں کے بعد مرزا غالب پر"یادگار غالب"اور آخر میں سرسید احمد خاں پر"حیات کر اردو ادب میں سوانح کی بنیاد رکھی۔

(۵) خودنوشت سوانح:

خودنوشت سوانح ایک غیر افسانوی صنف ہے جس میں کوئی شخص اپنے حافظے کے بل ر کسی طرح کا کوئی موجود ہو تو اس سے استفادہ کرکے شخصی تاثرات کے ساتھ اپنی سوانح ب دیتا ہے۔اگر کوئی انسان اپنی زندگی کے حالات بقلم خود تحریر کرے اور حقائق کی الات پیش کرے تو ایسی تحریر خودنوشت سوانح قرار دی جاتی ہے۔خودنوشت سوانح ایک جس میں انسان اپنے قلم سے اپنی زندگی کے حالات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ر اور اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرسکتا ہے۔خودنوشت سوانح ساری زندگی کے حالات پر ل میں پیش ہوسکتی ہے یا چند قابل ذکر واقعات کے ساتھ ایک مضمون کی شکل میں۔

یا حالات کی نمائندہ ہوتی ہے اور خودنوشت میں پیدائش سے لے کر سوانح قلمبند کرنے کے دور تک کے تفصیلی حالات کا ذکر ہوتا ہے۔ہندوستان کی آزادی میں حصہ لینے والے بیشتر سیاسی رہنماؤں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات تحریر کی اور آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔گاندھی جی نے اپنی خودنوشت سوانح "My LIfe and Experiments with Truth" انگریزی میں لکھی جس کا اردو ترجمہ "تلاش حق" کے زیر عنوان کیا گیا۔

(۶) دیباچہ:

کتابوں کے ابتدائی صفحات میں مصنف کی شخصیت یا فن کے تعارف کے طور پر جو تحریریں شامل کی جاتی ہیں اسے دیباچہ کہتے ہیں۔عموماً دیباچہ کسی مشہور قلم کار یا دانش ور سے لکھوایا جاتا ہے۔لیکن کبھی خود مصنف اپنے یا اپنی کتاب کے بارے میں خیالات کا اظہار کرتا ہے،اس تحریر کو دیباچہ،تقریظ یا پیش لفظ کا عنوان دیا جاتا ہے۔تصنیف وتالیف کے ابتدائی دور میں تقریظ نگاری کا طریقہ عام تھا جس میں کتاب لکھنے والے کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔اس کے بعد پیش لفظ اور دیباچہ نویسی کا چلن عام ہوا جس کے ذریعے نہ صرف کتاب اور مصنف کو متعارف کیا جاتا ہے بلکہ کتاب کے نمایاں خدوخال کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے۔اب پیش لفظ یا دیباچے کو نئے عنوانات کے تحت لکھا جارہا ہے۔اختصار کے ساتھ حقیقت پسندانہ خیالات پیش کرنے کے علاوہ نکتہ آفرینی اور مصنف کی بعض قابل ذکر ودل چسپ خصوصیات کے تذکرے کی وجہ سے دیباچہ نویسی کو کافی فروغ حاصل ہوا ہے۔

گویا کہ دیباچہ نویسی ایک ایسا فن ہے جس میں تنقید وتحقیق کی بجائے کتاب کے متن سے قبل ایک تاثراتی مضمون شامل کیا جاتا ہے۔تنقیدی یا تحقیقی نوعیت کے دیباچے بھی لکھے جاتے ہیں۔روایت ہے کہ دیباچے میں تنقیدی وتحقیقی انداز اختیار کیا جائے تو اکثر اسے مقدمہ کا نام دیا جاتا ہے۔جو دیباچے خالص تنقیدی نوعیت کے ہیں ان کا ذکر تنقید کی صنف

www.urduchannel.in

یسے خواجہ الطاف حسین حالی کی مشہور زمانہ مسدس حالی کا دیباچہ۔جس کے بعد ے زیر عنوان تنقیدی دیباچے لکھے گئے اور یہ سلسلہ ہنوز دراز ہے۔تاہم تاثراتی اور بیاچے بھی مقدمہ کے عنوان سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔اردو میں دیباچہ نے کی روایت کا آغاز مرزا محمد رفیع سودا نے کیا۔ان کے کلیات کا دیباچہ اردو میں لکھا جنوبی ہند کے بعض محققین کے بموجب مرزا محمد رفیع سودا سے قبل مدراس کے ایک محمد باقر آگاہ ویلوری نے سب سے پہلے اردو میں دیباچہ نویسی کی بنیاد رکھی۔

(۷) سفرنامہ:

اردو میں داستانوی سفرناموں کی روایت عام تھی۔ہندوستان میں انگریزوں کی آمد رناموں میں حقائق پر مبنی واقعات،تجربات،مشاہدات اور چشم دید مناظر کا ذکر کیا ۔بادشاہوں کے خاص مقربین نے روزناموں اور ڈائریوں کی شکل میں سفرنامے یتی قصے کہانیوں سے گریز کرتے ہوئے حقائق کی پیش کشی کی وجہ سے"سفر یرافسانوی صنف ادب میں خاص اہمیت حاصل ہوئی۔تجارت،حصول علم،تبلیغ ں بانی،سیاسی مقاصد،تلاش معاش،مقامات مقدسہ کی زیارت اور اس نوعیت کے قاصد ہیں جن کے لیے انسان سفر کرتا رہا اور سفرنامے تحریر کرتا رہا ہے۔

اردو میں سفرنامے کی روایت کا آغاز 1847ء میں ہوا جب کہ محمد یوسف خاں کمبل عجائبات فرنگ"لکھی۔اس کتاب میں سفر انگلستان کے دل چسپ حالات بیان یں۔اس کے بعد سرسید احمد خان نے"مسافران لندن"اور شبلی نعمانی نے"سفرنامہ وشام"تحریر کیا جنہیں اردو کے ابتدائی سفرناموں کا موقف حاصل اموں میں داستان کی داستان طرازی،ناول کی فسانہ طرازی،افسانے کی والی کیفیتیں اور ڈراما کی منظرکشی ملتی ہے یعنی فکشن کی تمام اصناف کے اوصاف میں ملتے ہیں۔کرنل محمد خاں کی خودنوشت سوانح"بجنگ آمد"سفرنامے کے انداز

پر لکھی گئی۔جدید ترین سفرناموں کا رجحان شگفتہ بیانی سے عبارت ہے۔آج کے سفرنامے گائیڈ بک نہیں بلکہ ادب اور سیاحت کا حسین ترین اظہار بن گئے ہیں۔ابن انشا،ممتاز مفتی،مستنصر حسین تارڑ،مجتبیٰ حسین اور یوسف ناظم کے سفرنامے مشہور ہیں۔

(۸) آپ بیتی:

خود پر بیتے ہوئے حالات کے ذکر کو آپ بیتی کہتے ہیں۔بن باس کی زندگی،قید کے حالات،نظر بندی کے دور کے حالات اور واقعات کا ذکر بھی آپ بیتی کے ذریعے ممکن ہے۔فنی اعتبار سے آپ بیتی ایک ایسی تحریر ہے جس میں خود پر گزرے ہوئے اچھے اور برے حالات کے علاوہ صدمات اور تاثرات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔آپ بیتی لکھنے والے اپنے حالات اور دل چسپ واقعات کے تانے بانے میں تاثرات کو گوندھ کر خودنوشت کا مواد تیار کرتے ہیں۔گویا کہ آپ بیتی میں نہ قصہ کہانی کا ذکر ہوتا ہے اور نہ ہی فرضی واقعات کا بیان ممکن ہے۔اردو نثر میں آپ بیتی ایک ایسی صنف ہے جو ہر دور میں رائج رہی اور آج بھی اس کا سلسلہ دراز ہے۔1857ء کے غدر کے دوران ہندوستان کے باشندوں پر جو مصائب گذرے انہیں"آپ بیتی"کی صورت میں بیان کیا گیا۔علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے جزیرۂ انڈمان (کالا پانی) میں رہتے ہوئے"الثورۃ الہندیہ"(باغی ہندوستان) تحریر کی جو انقلاب آزادی کا ایک مستند ترین ماخذ ہے۔"الثورۃ الہندیہ"اور"قصائد فتنۃ الہند"(منظوم) کو علامہ خیرآبادی نے قید تنہائی سے 1860ء میں بذریعہ حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی اپنے فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی کے پاس کوئلہ اور پنسل سے کپڑا وغیرہ لکھ کر بحفاظت تمام بھیجا تھا۔اس کتاب پر مولانا ابوالکلام آزاد نے تعارف لکھا اور مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی نے 1946ء کو ترجمہ کرکے شائع کیا۔محمد جعفر تھانیسری کی کتاب"کالا پانی"کو اردو کی اولین آپ بیتی کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔

9:50
Today
9:48 PM

(۹) خاکہ:

انگریزی ادب میں خاکہ کے لیے Sketch کا لفظ مروج ہے۔ خاکہ کے معنی کچا نقش، ڈھانچہ یا لکیروں کی مدد سے بنائی ہوئی تصویر کے ہیں اور خاکہ کے لیے اردو میں مرقع، شخصی مرقع، چہرہ بشرہ، قلمی تصویر اور جیتی جاگتی تصویر جیسی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ ادبی اصطلاح میں خاکہ سے مراد وہ تحریر ہے جس میں نہایت مختصر طور پر اشارے کنائے میں کسی شخصیت کا ناک نقشہ، عادات واطوار اور کردار کو سیدھے سادے انداز میں مبالغے کے بغیر اس طرح پیش کرنا کہ اس کی چلتی پھرتی تصویر سامنے آجائے اور اس کے افکار وخیالات بھی اُبھر کر سامنے آجائیں۔ خاکہ درحقیقت ایک مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاکہ میں کسی ایک شخصیت کی زندگی کے اہم نکات کی دل چسپ انداز میں نشاندہی کی جاتی ہے۔ خاکہ نگاری میں طویل سوانح سے زیادہ دل چسپ مواد پیش ہوتا ہے اور ویسے بھی اختصار نویسی کے اس دور میں خاکے کو سوانح پر ترجیح دی گئی ہے۔ خاکہ نگار شخصیت کی مرقع کاری کا کام انجام دیتا ہے۔ خاکہ میں شخصیت کے منفی اور مثبت دونوں رویوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ کہا گیا کہ خاکہ نگاری ایسا فن ہے جس میں نگینہ جڑنے کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ اردو میں خاکہ نگاری کے ہلکے نقوش سب سے پہلے تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی مشہور کتاب ''آبِ حیات'' میں خاکے کے ابتدائی نقوش پائے جاتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی ''ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی: کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' کو اردو کی پہلی طویل خاکہ نگاری کی کتاب قرار دیا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' اردو میں خاکہ نگاری کے اولین نمونوں میں سے ہے۔ رشید احمد صدیقی نے ''گنج ہائے گراں مایہ''، شاہد احمد دہلوی نے ''دلّی کی اہم شخصیتیں'' اشرف صبوحی نے ''دلّی کی عجیب وغریب شخصیتیں'' لکھ کر خاکہ نگاری کو فروغ دیا۔

(۱۰) رپورتاژ:

کسی جلسہ، محفل، کانفرنس، سمپوزیم، مشاعرہ یا اس نوعیت کی دیگر تقاریب کی مکمل کارروائی قلم بند کی جائے تو اسے روداد کہتے ہیں۔ لیکن کوئی ادیب اسی تفصیل کو ادبی چاشنی کے ساتھ چشم دید واقعات کے طور پر شخصی تاثرات شامل کرکے، پوری دل چسپیاں پیدا کرتے ہوئے بیان کرے تو اسے رپورتاژ کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر رپورتاژ ادبی اور فنی خصوصیات سے مالا مال مضمون ہوتا ہے۔ رپورتاژ نگار علمی وادبی جولانی کے ساتھ ادب کے اہم نکات کو شامل کرکے ایسی دل چسپ رپورٹ تیار کرتا ہے جس میں باریک بینی اور بذلہ سنجی کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اردو میں سب سے پہلے کرشن چندر نے ''پودے'' لکھ کر رپورتاژ نگاری کی بنیاد رکھی۔ کرشن چندر کے بعد اردو کے بیشتر ترقی پسند تحریک کے قلم کاروں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی اور دورِ حاضر میں بھی اس صنف کی اہمیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

(۱۱) طنز ومزاح:

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے الفاظ میں: طنز، شعری یا نثری وہ تخلیق ہے جس میں روزمرہ کی کمزوریوں یا بے وقوفیوں کا کبھی کبھی کچھ حقیقتوں کے ساتھ مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کسی فردِ خاص یا افراد کے گروہوں کا مضحکہ اڑانا ہوتا ہے۔

طنز کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ وزیر آغا کہتے ہیں ''طنز بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور، حساس اور دردمند انسان کے ذہنی ردِعمل کا نتیجہ ہے جس کے ماحول کو ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں نے تختۂ مشق بنالیا ہو۔ طنز میں نشتریت کا پہلو ضرور غالب رہتا ہے۔'' (اردو ادب میں طنز ومزاح)

طنز نگار ایک سماجی مصلح ہوتا ہے۔ سماج میں موجود نقائص اور عیوب کو طنز نگار بڑی فن کاری کے ساتھ اجاگر کرتا ہے۔ گویا کہ طنز نگار ایک سرجن ہوتا ہے جو اپنے نشتر سے سماج میں موجود فاسد مادوں کا خارج کرتا رہتا ہے۔ معیاری طنز وظرافت کی بنیاد غالبؔ نے اپنے خطوط کے ذریعہ

www.urduchannel.in

رکھی۔ مہدی افادی، محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند، سجاد علی انصاری، مرزا فرحت اللہ بیگ، قاضی عبدالغفار، ملا رموزی، رشید احمد صدیقی، سید احمد پطرس بخاری، شوکت تھانوی، کنھیا لال کپور، کرشن چندر، شفیق الرحمن، ابراہیم جلیس اور مشتاق احمد یوسفی ممتاز طنز نگار ہیں۔

(C) تنقید:

تنقید عربی کا لفظ ہے جو نقد سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ''کھرے اور کھوٹے کو پرکھنا'' ہے۔ اصطلاح میں اس کا مطلب کسی ادیب یا شاعر کے فن پارے کے حسن وقبح کا احاطہ کرتے ہوئے اس کا مقام ومرتبہ متعین کرنا ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرکے یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ شاعر یا ادیب نے موضوع کے لحاظ سے اپنی تخلیقی کاوش کے ساتھ کس حد تک انصاف کیا ہے۔ مختصراً فنِ تنقید وہ فن ہے جس میں کسی فنکار کے تخلیق کردہ ادب پارے پر اصول وضوابط وقواعد اور حق وانصاف سے بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جاتا ہے اور حق وباطل، صحیح وغلط اور اچھے اور برے کے مابین ذاتی نظریات واعتقادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فرق واضح کیا جاتا ہے۔ اس پرکھ اور تول کی بدولت قارئین میں ذوقِ سلیم پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انگریزی میں تنقید کو Criticism کہتے ہیں۔ اس کا ماخذ یونانی لفظ Krinien ہے۔ ویسے مختلف نقادوں نے اس کی مختلف تعریف وتوضیحات کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کسی ادب پارے میں فن پارے کے خصائص اور ان کی نوعیت کا تعین کرنا۔

(۲) تنقید کامل علم وبصیرت کے ساتھ اور موزوں اور مناسب طریقے سے کسی ادب پارے یا فن پارے کے محاسن ومعائب کی قدر شناسی یا اس بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔

(۳) تنقید اس عمل یا ذہنی حرکت کا نام ہے جو کسی شے یا ادب پارے کے بارے میں ان خصوصیات کا امتیاز کرے جو قیمت رکھتی ہے۔ بخلاف ان کے جن میں قیمت نہیں۔

(۴) محدود معنوں میں تنقید کا مطلب کسی ادب پارے کی خوبیوں اور خامیوں کا مطالعہ ہے، وسیع تر معنوں میں اس میں تنقید کے اصول قائم کرنا اور ان اصولوں کو تنقید کے لیے استعمال کرنا بھی شامل ہے۔

(۵) تنقید کا کام کسی مصنف کے کام کا تجزیہ، اس کی مدلل توضیح کے بعد اس کی جمالیاتی قدروں کے بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔

(۶) سچی تنقید کا فرض ہے کہ وہ زمانہ قدیم کے عظیم فن کاروں کی بالترتیب درجہ بندی اور رتبہ شناسی کرے اور زمانہ جدید کی تخلیقات کا بھی امتحان کرے۔ بلند تر نوع تنقید یہ بھی ہے کہ نقاد کے انداز واسلوب کا تجزیہ کرے اور ان وسائل کی چھان بین کرے جن کی مدد سے شاعر اپنے ادراک وکشف کو اپنے قارئین تک پہنچاتا ہے۔

(۷) تنقید فکر کا وہ شعبہ ہے جو یا تو یہ دریافت کرتا ہے کہ شاعری کیا ہے؟ اس کے مناصب و وظائف اور فوائد کیا ہیں؟ یہ کن خواہشات کو تسکین پہنچاتی ہے؟ شاعر شاعری کیوں کرتا ہے؟ اور لوگ اسے کیوں پڑھتے ہیں؟ یا پھر یہ اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی شاعری یا نظم اچھی ہے یا بری۔ (ایلیٹ)

(D) تحقیق

تحقیق کا لفظی معنی پیدائش، آفرینش، پیدا کرنا، وجود میں لانا، تصنیف، اختراع اور ایجاد ہے۔ تحقیق حق کی نقاب کشائی ہے۔ سات پردوں میں چھپی سچائی کو ڈھونڈنا، مرتب کرنا اور اربابِ علم ودانش کے سامنے پیش کرنے کا عمل تحقیق کہلاتا ہے۔ تنقید کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں۔ نقد کہتے ہیں پرکھنے یا کسوٹی پر کسنے کو۔ اس کا پتہ لگانا کہ یہ چمکنے والی چیز سچ مچ سونا ہے، یا پیتل پر سونے کی ملمع کاری کی گئی ہے، یہ تحقیق نہیں تو اور کیا ہے؟ تحقیق وتنقید صرف ادب کی چھان بین اور موشگافی نہیں بلکہ ایک طرزِ زندگی، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل بھی

Send Favorite Edit Delete More

9:44 PM

اصنافِ نثر
غیر افسانوی ادب

مضمون

کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دُنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ مضمون کی بالعموم ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ سب سے پہلے زیر بحث مسئلے کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ پھر اس کی حمایت یا مخالفت میں دلائل دیے جاتے ہیں اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔ بعض مضامین تاثراتی نوعیت کے ہوتے ہیں اُن میں ایسی ترتیب اور دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ ہر مضمون کے لیے نظم و ضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔

اُردو میں مضمون نویسی کا باقاعدہ آغاز سر سیّد احمد خاں سے ہوا۔ انھوں نے مذہبی، سیاسی، ادبی، علمی، معاشرتی، تاریخی، فلسفیانہ اور

دیگر موضوعات پر بکثرت مضامین لکھ کر ہمعصر ادیبوں کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ ان کے رسالے "تہذیب الاخلاق" نے مضمون نویسی کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ سر سیّد احمد خاں کے رفقا میں حالیؔ، شبلی، محسن الملک، نذیر احمد، وقار الملک، چراغ علی وغیرہ نے معیاری مضامین کا ایک وسیع ذخیرہ چھوڑا ہے۔ سر سیّد نے اپنے مضامین کے ذریعے سادہ نویسی کی جو روایت قائم کی، اُس پر چلتے ہوئے بعد کے ادیبوں اور قلمکاروں نے اُردو مضامین کے ذخیرے کو بیش بہا اور متنوع جواہر پاروں سے مالا مال کیا۔ رفتہ رفتہ علمی و ادبی موضوعات پر تحقیقی نقطہ نظر سے لکھا جانے لگا اور اس طرح مقالہ وجود میں آیا۔

مقالہ

مقالہ کے لغوی معنی ہیں "بات یا گفتگو" یعنی جو کچھ کہا جائے۔ اصطلاح میں کسی خاص موضوع پر علمی و تحقیقی انداز میں تحریری اظہار خیال کو مقالہ کہیں گے۔

مضمون اور مقالہ درحقیقت ایک صنف کے دو رُوپ ہیں۔ دونوں کے درمیان فرق صرف یہ ہے کہ مضمون قدرے مختصر ہوتا ہے، اس کا انداز تاثراتی اور

مفہوم سادہ ہوتا ہے جبکہ مقالہ نسبتاً طویل اور عالمانہ ہوتا ہے۔ مقالے میں مضمون کی نسبت زیادہ گہرائی ہوتی ہے اور وہ زیادہ ٹھوس ہوتا ہے ——— دراصل مضمون اور مقالے میں اختصار یا طوالت کا فرق بھی کچھ اہم نہیں ——— اصل اہمیت دونوں کے درمیان اختلافِ مزاج کی ہے ——— بایں ہمہ عام طور پر دونوں طرح نثر پاروں کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے۔

دنیا کے ہر موضوع پر مضمون یا مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ اسی اعتبار سے مقالہ نویسی کی کئی اقسام ہیں۔ بعض مضامین ادبی تخلیق و تنقید سے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض لسانیات اور بعض مختلف النوع علمی مسائل سے۔

علمائے مذہب نے مذہبی موضوعات پر اعلیٰ پائے کے تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔ ان میں مولانا شبلی نعمانی، سیّد سلیمان ندوی، ابو الکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی، سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، مناظر احسن گیلانی، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم وغیرہ کی محققانہ تحریروں میں ایک عالمانہ شان پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض اصحاب صاحبِ طرز ادیب ہیں۔

***

لسانیات وہ علم ہے جس میں زبانوں کے آغاز و ارتقا، تشکیل و تعمیر، ان کے باہم دگر اثرات وغیرہ کا تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لسانیات کے محققوں نے زبانوں کو

مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔ لسانیات کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض اوقات اسے ایک علیحدہ صنفِ نثر کی حیثیت دی جاتی ہے، جو درست نہیں۔ لسانیات تو صرف ایک موضوع ہے جس پر لکھنے والا، اپنی تحقیق کے نتائج ایک مقالے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اردو لسانیات پر جن لوگوں نے تحقیقی کام کیا ان میں محمود شیرانی، دتاتریہ کیفی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مسعود حسن رضوی ادیب، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر سہیل بخاری، عین الحق فرید کوٹی، خلیل صدیقی، گوپی چند نارنگ اہم ہیں۔ ان میں سے اکثر نے لسانی تحقیق کے ساتھ ادبی تنقید کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔

مزاج کے اعتبار سے بعض مقالے تحقیقی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ تحقیق ایک طرزِ اظہار یا اندازِ فکر کا نام ہے جسے مقالے کے مزاج سے ایک خاص مناسبت ہے۔ تحقیقی مقالے کا موضوع لسانی اور ادبی ہو سکتا ہے اور تاریخی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی اور فلسفیانہ بھی۔

تنقیدی مقالات نسبتاً زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی ادب پارے میں فنی نقطۂ نظر سے اظہار خیال، اس کے معائب و محاسن کی پرکھ اور اس کی مجموعی قدر و قیمت کا تعین، تنقید کہلاتا ہے ——— گویا تنقید ایک کسوٹی ہے جس کے ذریعے ہم کسی نثری یا شعری تخلیق کی صحیح پہچان کر سکتے ہیں ——— یہ بھی کہا جا سکتا ہے

Send Favorite Edit Delete More

کہ تنقید ایک لحاظ سے ادب پارے کا تجزیہ ([illegible]) ہے۔

تنقید کی دو صورتیں ہیں ایک نظری تنقید — جس میں تنقید کے اصول و قواعد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے عملی تنقید — جس میں چند تنقیدی اصولوں یا نقطۂ نظر کی روشنی میں کسی ادب پارے کو پرکھا جاتا ہے۔ عملی تنقید کا چلن نسبتاً زیادہ ہے۔

ایک اچھا نقاد مختلف علوم و فنون سے واقف ہوتا ہے۔ اس کی معلومات وسیع ہوتی ہیں اور وہ متوازن ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے بغیر معیاری تنقید لکھنا آسان نہیں ہے۔

تذکرہ نویسی تنقید نگاری کی ابتدائی شکل ہے۔ ان تذکروں میں مختلف شعرا کے مختصر حالات، نمونۂ کلام اور ان کی شاعری کے بارے میں تاثرات کا اظہار ملتا ہے۔ قدیم تذکروں میں میر تقی کا "نکات الشعرا"، مصحفی کا "تذکرۂ ہندی گویاں"، علی لطف کا "گلشن ہند"، قدرت اللہ قاسم کا "مجموعۂ نغز"، سعادت خاں ناصر کا "خوش معرکۂ زیبا" اور محمد حسین آزاد کا "آبِ حیات" اہم ہیں۔ ان تذکروں کو صحیح معنوں میں تنقید کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

حالی اردو کے پہلے نقاد ہیں جنھوں نے شعری تنقید کے اصول متعین کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" اردو تنقید میں سنگ میل ہے۔ مولانا شبلی، محمد حسین آزاد اور عبدالسلام ندوی نے دیگر اصناف نثر کے ساتھ ساتھ

ادبی تنقید کی صنف میں بھی قابل قدر اضافہ کیا۔ شبلی کی "شعر العجم" اور "موازنۂ انیس و دبیر"، اور عبدالسلام ندوی کی "شعر الہند" اور "اقبال کامل" اور حکیم عبدالحی کی "گل رعنا" عملی تنقید کی اولین کتابوں میں اہم ہیں۔ سرسید نے جس سائنٹفک نقطۂ نظر کی بنیاد رکھی، حالی اور ان کے بعد آنے والے متعدد نقادوں کے ہاں اس کے اثرات ملتے ہیں۔ وحید الدین سلیم، مولوی عبدالحق، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، دتاتریہ کیفی کی تنقید کا رنگ یہی ہے۔ مہدی افادی، ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری اور نیاز فتحپوری کی تنقید جذباتی، رومانی اور تاثراتی انداز کی ہے۔ پروفیسر حامد اللہ افسر اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے ہاں مغربی تنقید کے اثرات نظر آتے ہیں، مگر اس میں گہرائی نہیں ہے۔ ترقی پسند تحریک نے اردو تنقید کو مارکسی نقطۂ نظر سے آشنا کیا۔ ترقی پسند نقادوں میں سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالعلیم، مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین، سبط حسن، اختر حسین رائے پوری، سردار جعفری، مجتبیٰ حسین اور ممتاز حسین وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ اسی دور کے بعض نقادوں نے ترقی پسند تحریک سے اثرات قبول کیے مگر ان کے ہاں ایک توازن اور اعتدال موجود ہے۔ جس کے سبب ان کی انفرادیت قائم ہے۔ ان میں عزیز احمد، پروفیسر وقار عظیم، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، خواجہ احمد فاروقی، آل احمد سرور اور عبدالقادر سروری شامل ہیں۔ اس کے برعکس کلیم الدین احمد انتہا پسندی کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ اردو ادب کو مغربی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ محمد حسن عسکری، آفتاب احمد اور شبیہ الحسن

کی تنقید کا رنگ نفسیاتی ہے۔

ہر تنقید پارے میں لکھنے والے کے شخصی اور ذاتی نقطۂ نظر کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اسی اعتبار سے تنقید کے مختلف دبستان قائم کیے گئے ہیں۔ مثلاً تاثراتی تنقید، تجزیاتی تنقید، جذباتی اور رومانی تنقید، مارکسی تنقید، نفسیاتی تنقید وغیرہ۔ مگر کسی تنقید پارے کو سختی کے ساتھ ساتھ تنقید کی کسی ایک قسم سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بسا اوقات تنقید اور تحقیق کو جدا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات تنقید، تخلیق کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

دورِ جدید میں اردو کے چند محققوں اور نقادوں کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر عندلیب شادانی، پروفیسر حمید احمد خاں، عابد علی عابد، مولانا صلاح الدین احمد، فراق گورکھپوری، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر شاہ علی، ڈاکٹر سید معین الرحمن، ڈاکٹر سید عبدالقیوم، ڈاکٹر اسلم فرخی، مظفر علی سید، جیلانی کامران، سید نجیب اشرف ندوی، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، [illegible] آنند، ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر سہیل بخاری، پروفیسر عبدالمغنی، ابن فرید، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی، شمس الرحمن فاروقی، سلیم احمد، جمیل جالبی، انور سدید، خورشید الاسلام، سلیم اختر، ڈاکٹر نجم الاسلام،

سلام سندیلوی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ظہیر فتح پوری، ڈاکٹر احمد نقوی، ڈاکٹر میمونہ انصاری، شمیم احمد، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، عرش صدیقی، فتح محمد ملک، یحییٰ امجد، غلام حسین اظہر، مجتبیٰ حسین، محمد علی صدیقی، ڈاکٹر معین الدین عقیل، وقار احمد رضوی، تحسین فراقی، سراج منیر، طاہر تونسوی۔

تاریخ ادب لکھنے والوں میں حامد حسن قادری، محمد یحییٰ تنہا، حکیم عبدالحی، احسن مارہروی، محی الدین قادری زور، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، سلیم اختر، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی شامل ہیں۔

"غالبیات" پر مالک رام، غلام رسول مہر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر سید معین الرحمن اور قاضی عبدالودود نے قابل قدر کام کیا ہے۔

دیگر موضوعات پر بے شمار لکھنے والوں نے ہر انداز اور معیار کے مقالے لکھے ہیں جو اردو کے نثری ذخیرے کا قابل قدر حصہ ہیں۔

انشائیہ

انشائیہ نسبتاً نئی صنفِ نثر ہے۔ اسی لیے ذہنوں میں اس کا مفہوم م

Send Favorite Edit Delete More

Today
9:44 PM

واضح نہیں ہے۔ بیشتر نقاد انشائیے کا تصور واضح نہیں کر سکے۔

یہ نو خیز صنفِ نثر انگریزی ادب سے درآمد کی گئی ہے اور انگریزی (Essay) کی ایک شکل ہے۔ موضوع کی ندرت اور تکنیک کی جدت کے اعتبار سے اُردو کی تمام نثری اصناف سے بالکل مختلف ہے بعض لوگ اسے مضمون کا بدل سمجھتے ہوئے سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، رشید احمد صدیقی، یلدرم اور فلک پیما کے بعض نثر پاروں کو انشائیے کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، مگر درست نہیں۔ دیگر اصناف نظم و نثر کی طرح انشائیے کی حتمی تعریف بھی متعین نہیں کی جا سکی۔ تاہم انشائیہ اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے مضمون سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ انشائیے کے وسیع مطالعے کے بغیر اس کی پہچان ممکن نہیں۔

انشائیے کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ناول، افسانہ یا مضمون کے برعکس انشائیے کا انداز غیر رسمی ہوتا ہے۔ اس میں روایتی ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ انشائیے کو اگر کسی خاص ترتیب کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کی انفرادیت مجروح ہوگی۔ انشائیہ نگار اپنا طبع یا انداز تحریر کے مطابق انشائیے کو کہیں سے شروع کر کے کہیں بھی ختم کر سکتا ہے۔

شگفتگی اور تازگی انشائیے کی بنیادی صفت ہے۔ انشائیہ نگار کبھی طنز اور کبھی مزاح سے کام لیتا ہے مگر وہ طنز و مزاح کے عامیانہ انداز کو اختیار نہیں کرتا۔ ایک معیاری انشائیے میں زیرِ لب تبسم کی کیفیت، شگفتگی کی انتہا

پیدا کرتی ہے۔ انشائیے کا اسلوب بھی شگفتہ اور رواں ہوتا ہے۔

عموماً ہر نثر پارہ اپنی حیثیت میں مکمل ہوتا ہے۔ مگر انشائیے میں اکثر اوقات عدم تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار، مضمون نویس کے برعکس کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکالتا، بلکہ موضوع کے چند انوکھے پہلوؤں کو پیش کر کے خود پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے انشائیے کے "موضوع" کی نوعیت بھی وہ نہیں ہوتی جو کسی مضمون یا مقالے میں ہوتی ہے اور اسی لیے انشائیے کا خاتمہ اچانک ہوتا ہے۔

اگرچہ اختصار انشائیے کی مستقل خصوصیت نہیں ہے۔ تاہم انشائیہ مائل بہ اختصار ہوتا ہے۔ وہ بے جا تفصیل اور غیر معمولی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مگر انشائیے کے اختصار کے لیے کوئی حد متعین نہیں کی جا سکتی۔

انشائیے کے موضوعات میں تنوع ہے۔ انشائیے کے رنگا رنگ موضوعات میں بڑی ندرت ہوتی ہے۔ مثلاً "بستر میں لیٹنا"، "فٹ پاتھ پر چھینٹا" اور "ریلوے ٹائم ٹیبل" جیسے موضوعات پر انشائیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ انشائیہ نگار جو "موضوع" منتخب کرتا ہے، بعض اوقات وہ اس کے دائرے سے آزاد ہو کر آوارہ خرامی بھی کرتا ہے۔ اس طرح انشائیے کے تنوع کی حدیں مزید وسیع ہو جاتی ہیں۔ انشائیہ نگار زندگی کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے یکساں دلچسپی رکھتا ہے۔

انشائیہ لکھنے والے کی شخصیت اور اس کے داخلی تاثرات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک داخلی صنفِ نثر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انشائیے میں خارجی دنیا، یا اس کے ردِ عمل سے بالکل آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔ انشائیہ نگار کی سوچ کا دائرہ پوری کائنات تک وسیع ہوتا ہے۔ اور اس کی وسعتِ تفکر انشائیے میں منعکس ہوتی ہے۔ اس طرح انشائیہ درحقیقت شخصی اور غیر شخصی یا داخلی اور خارجی پہلوؤں کا سنگم یا انضمام پیش کرتا ہے۔

انشائیہ نگار کسی مقصد یا اصلاح کی خاطر قلم نہیں اٹھاتا وہ کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور نہ کوئی مشورہ دیتا ہے۔ انشائیے میں تفکر اور سوچ کی باریک لہریں تو ضرور ملتی ہیں، مگر متانت اور سنجیدگی سے اسے دور کا واسطہ بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس میں اصلاحی نقطۂ نظر تلاش کرنا عبث ہے۔

الغرض انشائیہ ایک عجیب و غریب صنفِ نثر ہے۔ اس کی انفرادیت یہ ہے کہ اس کے لیے بظاہر کوئی اصول یا قاعدہ مقرر نہیں اور نہ کوئی مخصوص فارم یا ہیئت مگر اس کے باوجود انشائیے کا مخصوص مزاج ہے جس سے وہ فوراً پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی انشائیے میں کوئی ملاوٹ یا کھوٹ ہو تو انشائیے کا مزاج شناس قاری فوراً اس کی نشاندہی کر کے کھرے اور خالص انشائیے پر اصرار کرے گا۔

قدیم نثر نگاروں مثلاً سرسید احمد خاں اور محمد حسین آزاد وغیرہ کے ہاں انشائیے کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اسی طرح یلدرم، فلک پیما اور رشید احمد صدیقی کی بعض تحریروں میں بھی انشائیے کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر ایک الگ صنفِ سخن کی حیثیت سے انشائیے کا جو مزاج ہے، اُن کی تحریریں اس سے مطابقت نہیں رکھتیں جزوی طور پر تو شاید ان کی بعض عبارتوں میں انشائیے کا رنگ نظر آتا ہے مگر مجموعی اعتبار سے اُن کے مضامین، انشائیے نہیں کہلا سکتے۔ اُردو میں انشائیہ ایک جدید صنفِ نثر کی حیثیت سے جس انداز میں ہمارے سامنے آیا ہے اس کا انگریزی انشائیے کی روایت سے گہرا تعلق ہے۔ انشائیے کا موجد ایک فرانسیسی مصنف مونتین ہے۔ اس کے تتبع میں انگریزی انشائیے کا آغاز ہوا۔ بیکن، چارلس لیمب، ہیزلٹ، ہنٹ، ڈی کوئنسی اور میکس بیربوم، چیسٹرٹن، جیروم کے جیروم اور جنا ڈالف وغیرہ انگریزی کے اہم انشائیہ نگار ہیں۔

ایک جدید صنفِ نثر کی حیثیت سے اُردو انشائیے کو ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنایا۔ انھوں نے سب سے پہلے شعوری طور پر انشائیے لکھنے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اور خاصی بڑی تعداد میں ایسے انشائیے لکھے جو جدید انشائیے کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان کے انشائیوں کے دو مجموعے "خیال پارے" اور "چوری سے یاری تک" شائع ہو چکے ہیں۔ انشائیے کی ترویج میں ان کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔

Send Favorite Edit Delete More

Today
9:44 PM

انھوں نے صنفِ انشائیہ پر تنقیدیں بھی لکھیں ہیں ــــ اب انشائیہ نگاروں کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جن میں مشکور حسین یاد، مشتاق قمر، غلام جیلانی اصغر، جمیل آذر، داؤد رہبر، نظیر صدیقی وغیرہ نمایاں انشائیہ نگار ہیں۔ ان میں نظیر صدیقی کے انشائیوں کا مجموعہ "شہرت کی خاطر" اور مشتاق قمر کا "ہم ہیں مشتاق" شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں کامل القادری، راحت بیٹی، سلیم آغا قزلباش، کے ایم اشرف اور انجم انصار، طارق جامی، اقبال ساغر صدیقی وغیرہ انشائیے لکھ رہے ہیں۔

سوانح عمری

سوانح عمری، در اصل مقالہ نویسی ہی کی ایک شکل ہے۔ یہ کوئی مستقل اور الگ صنفِ نثر نہیں، باعتبارِ موضوع، مقالہ کی ایک قسم ہے۔

سوانح عمری وہ صنفِ ادب ہے جس میں کسی فرد کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے تمام واقعات، اس کی ذہنی و عقلی نشو و نما کے مختلف مراحل اور اس کے شخصی کارناموں وغیرہ کو بہ تفصیل بیان کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ فرد کوئی پیغمبر، بہ مصلح، اولوالعزم جنگجو، باجبروت حکمران، معروف ادیب یا غیر معمولی شہرت کا مالک سیاست دان ہو ــ ایک غیر معروف، معمولی اور گمنام انسان بھی سوانح نگاری کا موضوع بن سکتا ہے کیونکہ چھوٹے سے چھوٹے انسان

کی صحیح سیرت کشی اور اس کے سفرِ حیات کی عکاسی بڑے سے بڑے انسان کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔

بہترین سوانح عمری ایک فنی اور تخلیقی کارنامہ ہوتی ہے۔ ایسی سوانح عمری لکھنا آسان نہیں۔ سوانح نگار کو بڑی مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کسی انسان کی صحیح مرقع کشی کے لیے سوانح نگار کو بیک وقت محقق، مؤرخ، مبصر، ماہرِ نفسیات اور ادیب ہونا چاہیے۔ چونکہ ہر سوانح نگار میں ان اوصاف کا ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے دنیائے ادب میں اعلیٰ درجے کی سوانح عمریاں بہت کم ملتی ہیں۔ البتہ عظیم شخصیتوں کی نہایت ادنیٰ سوانح عمریاں بہت زیادہ ہیں۔

ایک معیاری اور فنی اعتبار سے بلند پایہ سوانح عمری میں بعض اہم خصوصیات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک سوانح نگار بعض اصولوں کا خیال نہ رکھے۔ مثلاً: سوانح نگار کے لیے اپنے ہیرو کی شخصیت سے تعلقِ خاطر ضروری ہے۔ کیونکہ ذاتی دلچسپی کے بغیر وہ اس کے حالات و واقعات معلوم کرنے میں کاوش و محنت اور تحقیق و جستجو سے کام نہیں لے گا۔ شخصیت سے معتدل جذباتی لگاؤ سوانح عمری کو معیاری اور بلند پایہ بنانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ پھر مصنف کا نقطۂ نظر ہمدردانہ ہونا چاہیے۔ عیب جوئی یا بے جا نکتہ چینی سے سوانح عمری یک طرفہ اور یک رُخی ہو گی۔ ہیرو کی خامیوں کو چھپانا غلط

ہے مگر اُسے اُچھالنا بھی مستحسن نہیں۔

سوانح نگار کو صداقت، غیر جانبداری اور انصاف سے کام لینا چاہیے۔ ہیرو کے محاسن و معائب یعنی اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں کا بیان منصفانہ طریقے سے کرنا چاہیے جس طرح خوبیوں کے بیان میں مبالغہ آرائی سے اجتناب ضروری ہے۔ اسی طرح خامیوں کی پردہ پوشی بھی نامناسب ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ سوانح نگار حالات و واقعات کی تحقیق میں بڑی کاوش و محنت سے کام لے اور صرف ایسا لوازمہ (material) انتخاب کرے جو مستند اور تحقیقی اعتبار سے صحیح ہو۔ کمزور اور مشکوک روایات و واقعات کو سوانح عمری کی بنیاد بنایا جائے تو وہ غیر معیاری اور سطحی ہو گی۔ اس ضمن میں ہیرو کے روزنامچے، یادداشتیں، خطوط، متفرق تحریریں، تقریریں اور تصنیفات وغیرہ سوانح عمری کے لیے مستند لوازمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

سوانح نگار کا نقطۂ نظر اور انداز متوازن اور معتدل ہونا چاہیے ــــ انداز نظر کے علاوہ سوانح عمری باعتبار ایک تصنیف کے بھی متوازن اور متناسب ہونا ضروری ہے۔ واقعات کے اعادے، بیجا طوالت سے گریز، بیان میں اختصار، مفہوم میں جامعیت اور کتاب کے مختلف حصوں اور ابواب کے درمیان ہم آہنگی کے اہتمام سے سوانح عمری معیاری اور بلند پایہ سمجھی جائے گی۔

بیانِ واقعات میں علمی اور سائنٹیفک انداز ضروری ہے۔ لوازمے (material) کے انتخاب و ترتیب میں تاریخی سلیقہ مندی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اچھا سوانح نگار ہمیشہ تصنیف و تالیف کے جدید اصولوں کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ تالیف کے فرسودہ، روایتی اور گھسے پٹے انداز سے تناسب ضروری ہے۔ سلیس اور شگفتہ رواں اسلوب سوانح عمری کو ادبی اعتبار سے دلکش بنا دیتا ہے۔ سوانح نگار کو مبلغ یا واعظ بننے سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اس کے منصب کے منافی ہے۔

سوانح عمری میں بھی عام طور پر کسی تاریخی شخصیت اور اس سے متعلقہ تاریخی واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے سوانح عمری بھی ایک تاریخ ہے۔ تاہم دونوں کے درمیان کئی اعتبار سے بڑا واضح فرق ہے۔

تاریخ کی بنیاد واقعات پر ہوتی ہے مگر سوانح کی بنیاد کوئی شخصیت ہوتی ہے۔ تاریخ کا موضوع کوئی ملک یا ایک خاص تاریخی دور کا عہد ہوتا ہے جب کہ سوانح میں کسی شخص کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایک عہد کے مکمل واقعات اور ہر نوع کی تفصیلات کا ذکر ضروری ہے۔ مگر سوانح میں صرف ہیرو کی شخصیت سے متعلق چند منتخب واقعات و بیانات کو لیا جاتا ہے تاریخ کی حدیں ازل سے ابد تک پھیلی ہوتی ہیں۔ مگر سوانح عمری پیدائش اور موت

Send Favorite Edit Delete More

9:56
Today
9:44 PM

کے درمیان محدود ہوتی ہے۔ تاریخ تعصب اور طرف داری سے بڑی حد تک پاک ہوتی ہے، مگر سوانح جانبداری اور سوانح نگار کی پسند و ناپسند سے پوری طرح مبترا نہیں ہو سکتی۔

اس کے باوجود سوانح عمریوں کو تاریخ کا ایک دلچسپ اور پُرکشش روپ قرار دیا جا سکتا ہے۔

قدیم تذکروں میں شعراء اور علماء کے مختصر حالات ملتے ہیں مگر اردو میں سب سے پہلے حالی نے سوانح عمری کی طرف توجہ دی۔ ان کی "حیات سعدی" (۱۸۸۲ء) اُردو میں جدید طرز کی پہلی سوانح عمری ہے۔ "یادگار غالب" (۱۸۹۷ء) اور "حیات جاوید" (۱۹۰۱ء) حالی کی دیگر سوانح عمریاں ہیں۔ موخر الذکر سر سید احمد خان کے حالات زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک ابھی تک اردو کی بہترین سوانح عمری ہے۔ شبلی کی سوانح عمریاں "المامون" (۱۸۸۹ء)، "سیرۃ النعمان" (۱۸۹۰ء)، "الفاروق" (۱۸۹۹ء) اور "الغزالی" (۱۹۰۲ء) اور "سیرت النبیؐ" بھی اُردو سوانح عمریوں کے ذخیرے میں قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حالی اور شبلی نے مغربی سوانح نگاری کے جدید رجحانات کو پیش نظر رکھا۔ ان کے ہاں سوانحی پہلو سے زیادہ عصری حالات اور کارناموں پر زیادہ زور دیا جاتا تھا جس کا انداز بیان تشریحی اور توضیحی ہوتا تھا اور نقطہ نظر اخلاقی۔ حالی سوانح نگاری میں شبلی

پر سبقت رکھتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مولانا سوانح نگاری کے امام ہیں اور ان کی سوانح نگاریاں اس صنف کا بہترین سرمایہ ہیں۔

حالی اور شبلی کے بعد اُردو میں بے شمار سوانح عمریاں لکھی گئیں جن میں مرزا حیرت دہلوی کی "حیات طیبہ" (۱۸۹۵ء)، منشی سعید احمد مارہروی کی "حیات خسرو" (۱۹۰۲ء)، اسلم جیراج پوری کی "حیات حافظ" (۱۹۰۵ء)، افتخار احمد کی "حیات النذیر" (۱۹۱۲ء)، محمد اکرام اللہ خاں کی "وقار حیات" (وقار الملک کی سوانح ۱۹۲۵ء)، رئیس احمد جعفری کی "سیرت محمد علی" (۱۹۳۲ء)، محمد امین زبیری کی "حیات محسن" (۱۹۳۴ء)، سید سلیمان ندوی کی "حیات شبلی"، شیخ محمد اکرام کی "شبلی نامہ" (نیا نام، یادگار شبلی)، محمد طاہر فاروقی کی "سیرت اقبال" (۱۹۳۹ء)، غلام رسول مہر کی "غالب" اور "سیرت سید احمد شہید"، عبدالمجید سالک کی "ذکر اقبال" (۱۹۵۴ء)، اصغر علی گھرال کی "عزیز بھٹی شہید"، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی "سیرت سید احمد شہید" اہم ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں میں شبلی نعمانی (سیرت النبیؐ چھ جلدیں)، قاضی سلمان منصور پوری (رحمۃ للعالمین)، مناظر احسن گیلانی (خاتم النبیین)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (سیرت سرورِ عالم)، نعیم صدیقی (محسن انسانیت)، عبدالماجد دریا بادی (سلطانِ ما محمدؐ، مرتبہ تحسین فراقی) زیادہ معروف ہیں۔

آپ بیتی

اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان "آپ بیتی" کہلاتا ہے اسے خود نوشت (Autobiography) بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ بیتی محض احوال و واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی ذاتی کیفیتوں، دلی احساس، شخصی اور عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔ مصنف بعض اوقات اُن خارجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی عوامل کا بھی ذکر کرتا ہے جو کبھی اس پر اثر انداز ہوئے یا جنھوں نے اس کی زندگی کو ایک خاص رُخ متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر آپ بیتی میں یہ تمام عناصر یکساں اور لازمی طور پر موجود ہوں۔ لکھنے والا اپنے مزاج، افتاد طبع اور انداز فکر و نظر کے مطابق آپ بیتی میں بعض پہلوؤں کو نمایاں کرتا اور اُبھارتا ہے اور بعض پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ سرسری انداز میں بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں "سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دعوے کے بغیر بے تکلف اور سادہ احوال زندگی پر مشتمل ہو۔"

آپ بیتی مختلف مقاصد کے تحت لکھی جاتی ہے۔ بیشتر لکھنے والوں کا مقصد اصلاحی اور اخلاقی ہوتا ہے۔ مصنف چاہتا ہے کہ قارئین میرے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر اور مفید بنائیں۔ اس کے برعکس بعض آپ بیتیاں محض یادگار اور دلچسپی کی خاطر لکھی جاتی ہیں۔

آپ بیتی کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ سفر نامہ: جس میں کسی خاص سفر کی روداد اور سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا جائے۔ سفر نامے میں ذاتی تاثرات کے ساتھ خارجی احوال، قدرتی مناظر، مختلف علاقوں اور ممالک کے حالات وغیرہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

۲۔ رپورتاژ: یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اطلاع یا خبر دینے کے ہیں۔ مصنف اپنے سفر کے مشاہدات اور پیش آمدہ واقعات کو بیان کرتا ہے۔ رپورتاژ میں زندگی کے خارجی پہلوؤں کے ساتھ داخلی کیفیات بھی قلم بند کی جاتی ہیں۔ رپورتاژ کے انداز بیان میں قدرے جدت اور ادبیت ہونی چاہیے۔

۳۔ روزنامچہ: بعض لوگ روزنامچے میں اپنے روزمرہ مشاہدات، تجربات، احساسات اور واقعات لکھتے ہیں۔ روزنامچے کے تاثرات میں کہیں کہیں تبصرہ بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ بیتی کی ایک شکل ہے۔ روزنامچے کو بعض اوقات ڈائری کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

Send
Favorite
Edit
Delete
More

ان کے علاوہ خطوط اور خود نوشت تعارف وغیرہ میں بھی آپ بیتی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ "نقوش" کا آپ بیتی نمبر ایسی ہی تحریروں سے مرتب و اخذ کیا گیا ہے۔

بظاہر تو سوانح عمری (Biography) اور آپ بیتی (Autobiography) میں صرف صیغے (Person) کا فرق ہے مگر دونوں مزاجاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سوانح عمری کسی فرد یا شخصیت کی زندگی کا مکمل، مفصل اور جامع مرقع ہوتا ہے۔ سوانح نگار کو تنقید و بصیرت سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ مدّاح و قادح ہو سکتا ہے اور ایک غیر جانبدار مبصر بھی۔ مگر آپ بیتی لکھنے والے کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے کھلے بندوں کوئی دعویٰ آسان نہیں ہوتا۔ وہ اپنے منہ میاں مٹھو بن سکتا ہے اور خود اپنی انا کو اپنی ذات سے جدا کر سکتا ہے۔ سوانح کے برعکس آپ بیتی کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ مکمل ہو اور لکھنے والے کی شخصیت کا پورا احاطہ کرے۔ عین ممکن ہے کہ آپ بیتی، لکھنے والے کی زندگی کے محض کسی ایک پہلو یا چند محدود پہلوؤں کو اُجاگر کر سکے۔

آپ بیتی کئی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ دلچسپی کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو آپ بیتی بسا اوقات داستان اور ناول و افسانے سے بھی زیادہ پُرلطف ہوتی ہے۔ افادی اعتبار سے آپ بیتی نگار کے مشاہدات و تجربات

بڑے سبق آموز اور عبرت خیز ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک مؤرخ آپ بیتی کے ذریعے ایک خاص ماحول کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ ایک سوانح نگار کے لیے آپ بیتی سب سے قیمتی اور مستند لوازمے (Material) کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے وہ کسی شخص کی داخلی کیفیات اور اس کی شخصیت کی مختلف تہوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ علمی و ادبی نقطۂ نظر سے ایک اچھی آپ بیتی پڑھ کر ہم ایک معیاری ادب پارے سے لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ تاریخ و سیاست، اخلاق و نفسیات اور تہذیب و معاشرت کا علم بھی حاصل کرتے ہیں۔

انگریزی ادب میں آپ بیتیوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ اُردو ادب آپ بیتی سے تہی دامن تو نہیں مگر ابھی آپ بیتیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ آپ بیتی کے ذخیرے میں کمی کی سب سے بڑی وجہ غالباً مشرق کا روائتی انکسار ہے۔ وہ لوگ بھی جو زندگی میں فی الواقع بعض اہم کارنامے انجام دیتے ہیں، آپ بیتی لکھنے سے محض اس لیے باز رہتے ہیں کہ اس میں خود ستائشی کا پہلو نکلتا ہے۔ تاہم دورِ حاضر میں آپ بیتی کی طرف کچھ توجہ کی جانے لگی ہے اور بعض بلند پایہ آپ بیتیاں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

نسبتاً معروف، نمایاں اور مفصل آپ بیتیوں میں مولانا محمد جعفر تھانیسری

Today
9:46 PM

معیار سے مختلف نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی کا نام طنز و مزاح میں بہت اہم ہے۔ ظفر علی خاں اور ظریف لکھنوی کے موضوعات زیادہ تر سیاسی ہیں۔ علامہ اقبال کی طنزیہ شاعری میں گہرائی ہے۔ اس کے برعکس جوش کے طنز میں سطحیت ہے۔ جدید دور میں حاجی لق لق، شاد عارفی، راجہ مہدی علی خاں (انداز بیاں اور) مجید لاہوری (نمکدان)، ظریف جبلپوری، ضمیر جعفری، نذیر شیخ، سید محمد جعفری، شفیع عقیل اور سرشار دہلوی کے نام طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے سلسلے میں اہم ہیں۔

جدید دور میں کارٹونوں سے بھی یہی کام لیا جاتا ہے جو طنز و مزاح کے کسی نثری یا شعری نمونے سے لیا جاتا ہے۔ کارٹون کی روایت اُردو میں "اودھ پنچ" سے چلی۔ اب اس کا معیار خاصا بلند ہے۔ معیاری کارٹون بنانے والوں میں نجمی، وحید، جاوید اقبال، محمود، جمشید انصاری شامل ہیں۔

سفرنامہ

سفرنامہ ایک طرح کی "روداد" یا "رپورتاژ" ہے جسے آپ بیتی کی ایک شکل کہا جا سکتا ہے۔ سفرنامے کی عمدگی اور دلچسپی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک واقعات سفر کی ندرت و جدت اور دوسرے انداز بیان میں تازگی — دلچسپی اور معنویت

کے لحاظ سے ایک معیاری سفرنامہ ناول و افسانے سے کسی طرح کم نہیں۔ دور جدید میں اُردو اصنافِ نثر میں سفرنامہ ایک امتیازی اور منفرد صنف کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

اُردو کے قدیم سفرناموں میں "عجائبات فرنگ" (یوسف خاں کمبل پوش)، "سفرنامہ، مسافران لندن" (سرسید احمد خاں)، "سیر ایران" (محمد حسین آزاد)، "سفرنامہ روم و مصر و شام" (شبلی) اہم ہیں۔ بیسویں صدی میں یوں تو بے شمار سفرنامے لکھے گئے۔ مگر "سفرنامۂ یورپ" (شفیع محبوب عالم)، "مقام خلافت" (سر عبدالقادر)، "نقش فرنگ" (قاضی عبدالغفار)، "سیر افغانستان" (علامہ سید سلیمان ندوی)، "محمد علی کا سفر یورپ" (مرتبہ محمد سرور)، "ساحل اور سمندر" (احتشام حسین)، اور "اشتراکی چین" (ارشاد احمد حقانی)، "سفرنامہ ارض القرآن" (خلیل حامدی)، اور "چار ہفتے یورپ میں" (شورش کاشمیری) نسبتاً اہم ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین کے دو مجموعے "سات سمندر پار" اور "دھنک پر قدم" ندرت بیان اور دلکش اسلوب کے سبب بہت دلچسپ اور مقبول ہوئے ہیں۔ محمود نظامی کا "نظرنامہ" رپورتاژ کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ ادبی سفرناموں میں فارغ بخاری کا "براتِ عاشقاں" اور کرشن چندر کا "صبح ہوتی ہے" اہمیت رکھتے ہیں۔ حج کے سفرناموں میں ماہر القادری کا "کاروانِ حجاز" اور نسیم حجازی کا "پاکستان سے دیارِ حرم تک" زیادہ معروف ہیں۔ ممتاز مفتی کا "لبیک" اور عبدالکریم ثمر کا "سفرِ حجاز"

زیادہ معروف ہیں۔ محمد حمزہ فاروقی نے پرانے اخبارات و مکاتیب اور بعض یادداشتوں کی مدد سے علامہ اقبال کے ۱۹۳۱ء کے دورۂ انگلستان، اٹلی، مصر اور فلسطین وغیرہ کی روداد مرتب کی ہے۔ جسے اقبال اکیڈمی کراچی نے "سفرنامۂ اقبال" کے نام سے ۱۹۷۳ء میں شایع کیا۔ یہ سفرنامہ حیاتِ اقبال کے سلسلے میں بعض نئی تفصیلات منظر عام پر لایا ہے۔ ابن انشا کے سفرنامے "چلتے ہو تو چین کو چلیے"، "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" اور "دنیا گول ہے" ان کے منفرد مزاحیہ اسلوب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے "نکلے تری تلاش میں" اور "اندلس میں اجنبی"، افسانے کی طرح دلکش ہیں۔ عطاء الحق قاسمی (شوقِ آوارگی) کے ہاں مزاح کی چاشنی، ان کے سفرناموں کو دلچسپ بناتی ہے ___ ان منفرد سفرنگاروں کے علاوہ جمیل الدین عالی، شیخ منظور الٰہی، ذوالفقار احمد تابش، افضل علوی، ریاض احمد ریاض، حمزہ فاروقی اور اختر ممونکا کے سفرنامے بھی لائق مطالعہ ہیں۔

ترجمہ

ترجمہ بھی کوئی الگ صنف نہیں البتہ اسے ایک فن کی حیثیت ضرور حاصل ہے۔ ترجمہ نگاری کو کسی زبان کی ترقی میں زبردست دخل ہوتا ہے۔ دیگر زبانوں کے بلند پایہ علمی و ادبی، تحقیقی و تنقیدی اور دیگر فنی شاہکاروں

کو اپنی زبان میں منتقل کرنا بڑی علمی خدمت ہے۔ اس سے کسی قوم کا علمی ذخیرہ بڑھتا ہے۔ اور ذہنی سطح پر فکر کو جلا اور ذہن کو نشوونما ملتی ہے۔

کسی غیر زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنا آسان کام نہیں بلکہ بعض اوقات ترجمہ کرنا طبع زاد تخلیق کرنے سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جب تک مترجم (ترجمہ نگار) کو دونوں زبانوں پر پورا پورا عبور حاصل نہ ہو وہ دونوں زبانوں کے اسالیب بیان، لفظی اور معنوی خوبیوں، محاورات و تشبیہات، لسانی پس منظر اور زیر ترجمہ نثر پارے کے مصنف اور موضوع سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو۔ ترجمہ نگاری میں کامیابی حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ محض لفظی ترجمہ بسا اوقات بیکار ثابت ہوتا ہے۔ جس فن پارے کا ترجمہ کرنا مقصود ہو، اس کی اصل روح تک پہنچ کر ہی اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

اُردو میں تراجم کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہی ہو چکا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مصنفوں نے بلند پایہ اور معیاری ترجمے کیے ___ اُردو داستانوں کا ذخیرہ مذکورہ کالج اور بیرون کالج کے قدیم مترجمین کی مساعی کا مرہونِ منت ہے۔ داستانوں کے علاوہ تصوف، مذہب اور تاریخ وغیرہ کے موضوعات سے متعلق بے شمار عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے۔ انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی مغربی لٹریچر اُردو میں منتقل ہونا شروع

Send Favorite Edit Delete More